اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ

خالق داد ملک*

انتہاء پسندی ایک ایسی اصطلاح ہے جوان افراد یا گروہوں کے نظریات وافکار، افعال واعمال اور رویہ جات کی وضاحت کرتی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو کسی حد تک یا مکمل طور پر معاشرے سے تعصب یا شدت کی وجہ سے جدا کرلیا ہو۔ اور جب یہی افراد یا گروہ اپنے مخصوص نظریات پر عمل کرتے ہوئے بے گناہ اور معصوم افراد پر ظلم وستم کرتے ہیں تو یہ فعل دہشت گردی کہلاتا ہے۔ انتہاء پسندی اور دہشت گردی بنیادی طور پر دو مغربی اصطلاحیں ہیں۔ لفظی اعتبار سے دونوں کے معانی مختلف ہیں۔

جیسے انتہاء پسندی (Extremism) انگریزی لفظ "*extreme*" سے اخذ کیا گیا ہے جسکا مطلب ہے:

"A feeling, a situation, way of behaving, etc. that is as different as possible from another or is opposite to it: extreme love and hate."(1)

''ایک احساس، صورتِ حال، رویہ، وغیرہ جو دوسرے سے ممکنہ حد تک مختلف ہو یا اس سے مخالف ہو۔ (جیسے) شدید محبت اور (شدید) نفرت''

اور انتہاء پسند (Extremist) سے مراد:

"A person whose opinions, especialy about religion or politics, are extreme, and who may do things that are violent, illegal,etc"(2)

''وہ شخص جسکے خیالات، خاص طور پر مذہب اور سیاست کے بارے میں شدید ہوں، اور وہ جو کام کرے وہ متشددانہ اور غیر قانونی ہو۔''

اس لحاظ سے انتہاء پسندی (Extremism) سے مراد:

"The political, religious, etc. Ideas or actions that are extreme and not normal, reasonable or acceptable to most people"(3)

''وہ سیاسی، مذہبی وغیرہ، نظریات یا افعال جو شدید ہوں اور عام، معقول نہ ہوں یا کثیر افراد کو قبول نہ ہوں''

---

*پروفیسر، شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

مشہور اسلامی سکالر ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے مطابق:

"Extremism means being situated at the farthest possible point from the center. Figuratively, it indicates a similar remoteness in religion, in thought, as well as behaviour"(4)

''انتہاء پسندی سے مراد (سیاسی، سماجی، مذہبی اور معاشرتی) مرکز سے ممکنہ حد تک دور مقام پر ہونا۔ اصطلاحاً، اسی طرح یہ مذہب، نظریات اور طرزِ عمل سے دوری کی طرف اشارہ بھی کرتی ہے''

دہشت گردی (Terrorism) بھی انگریزی اصطلاح ہے جو لفظِ (Terror) سے ماخوذ ہے جس سے مراد:

"Violent action or the threat of violent action that is intented to cause fear, usually for politcal purposes"(5)

''متشددانہ فعل یا متشددانہ فعل کا خطرہ جو عام طور پر سیاسی مقاصد (کے حصول) میں خوف کا مؤجب بنے''

اس طرح دہشت گرد (Terrorist) سے مراد:

"A person who takes part in terrorism"(6)

''وہ شخص جو دہشت گردی میں حصہ لے''

مندرجہ بالا وضاحت کے مطابق دہشت گردی (Terrorism) سے مراد:

"The use of violent action in order to achieve political aims or to force government to act"(7)

''پر تشدد کاروائیوں کو استعمال کرتے ہوئے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنا یا کسی کام کیلئے حکومت کو مجبور کرنا''

دہشت گردی اور انتہاء پسندی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے بلکہ دہشت گردی ایک درخت ہے اور انتہاء پسندی اس کو خوراک مہیا کرتی ہے تا کہ یہ بہتر انداز سے نشو ونما پائے۔

جیسا کہ صابر مائیکل (Sabir Michael)(8) نے کہا:

"Terrorism is a tree and extremism provides balanced food to grow the tree properly."(9)

''دہشت گردی ایک درخت ہے اور انتہاء پسندی اس کی بہتر نشو ونما کے لئے متوازن خوراک مہیا کرتی ہے''

انتہاء پسندی اپنی شدت کے اعتبار سے دو نمایاں پہلوؤں کی حامل ہے:

۱۔ غیر متشدد انتہاء پسندی (Non-Violent Extremism)

۲۔ متشدد انتہاء پسندی (Violent Extremism)

۱۔غیر متشدد انتہاء پسندی: (Non-Violent Extremism)

وہ افراد یا گروہ جو انتہاء پسندانہ افکار ونظریات کے حامل ہوں اور وہ اپنے نظریات کی ترویج واشاعت کے لئے پرامن راستہ اختیار کریں غیر متشدد انتہاء پسند یا غیر متشدد بنیاد پرست کہلاتے ہیں۔ یہ ایسے افراد یا گروہ ہوتے ہیں جنکی تعلیمات غیر متشدد اور پرامن ہوتی ہیں کیونکہ جبر وتشدد انکا شیوہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ بنیاد پرست ہوتے ہیں مگر انکا یہ فعل عامتہ الناس کے لیے ضرر رساں اور تکلیف دہ نہیں ہوتا بلکہ انسانیت کی فلاح و بہبود انکا اولین مقصد ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ کے اوراق کو گردانا جائے تو ایسے افراد کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں جو عوام سے مختلف تو تھے مگر کسی انسان کو انکے اعمال و افعال سے گلہ نہ تھا۔ مثلاً حضرت بایزید بسطامی کی حضور اکرم ﷺ سے والہانہ محبت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے تاحیات خربوزہ نہیں کھایا کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آقائے نامدار ﷺ نے اس پھل کو کس انداز سے کھایا۔ انکا یہ عمل عام لوگوں سے منفرد تھا۔ مگر انہوں نے اس فعل کی ترویج واشاعت میں تشدد اور سختی کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ ادب و تعظیم مصطفی ﷺ کی ایک لازوال مثال قائم کی۔ اور اسوۂ حسنہ سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کیا۔

۲۔ متشدد انتہاء پسندی: (Violent Extremism)

انتہاء پسندی میں جب جبر وتشدد کا عنصر شامل ہو جاتا ہے تو اسے متشدد انتہاء پسندی (Violent Extremism) کہا جاتا ہے۔ وہ افراد یا گروہ جو انتہاء پسندانہ افکار ونظریات کے حامل ہوں اور وہ اپنے نظریات کی ترویج واشاعت کے لئے جبر وتشدد، ظلم وزیادتی اور بربریت کا راستہ اختیار کریں متشدد انتہاء پسند یا متشدد بنیاد پرست کہلاتے ہیں۔ یہ ایسے افراد یا گروہ ہوتے ہیں جنکی تعلیمات متشددانہ عزائم اور فتنہ وفساد پر مبنی ہوتی ہیں کیونکہ جبر وتشدد انکا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ ایسے بنیاد پرست ہوتے ہیں جو دوسروں کے مؤقف کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ دلیل، منطق، گفت وشنید اور پرامن جدوجہد کے بجائے ہتھیار اٹھا لیتے ہیں اور اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے فتنہ وفساد کرتے ہیں اور عامتہ الناس میں خوف وہراس پیدا کرتے ہیں۔ ایسی کاروائیوں کو متشدد انتہاء پسندی (Violent Extremism) یا دہشت گردی (Terrorism) کہا جاتا ہے۔ اور ایسی کاروائیاں کرنے والے افراد متشدد انتہاء پسند (Violent Extremists) یا دہشت گرد (Terrorists) کہلاتے ہیں۔ انتہاء پسندی کا یہی پہلو ہے جس نے معاشی و معاشرتی، سیاسی وثقافتی، انفرادی واجتماعی مزید برآں قومی وبین الاقوامی پرامن ماحول کو تہہ وبالا کر رکھا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انتہاء پسندی اور دہشت گردی ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جسکا کسی

خاص مقام، قوم، مذہب، فرقے یا طبقے سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ دہشت گرد کسی قوم یا مذہب کا باغی ہوتا ہے اس لحاظ سے یہ امریکی، اسرائیلی، ہندوستانی، پاکستانی مزید برآں عیسائی، یہودی، مسلم اور ہندو بھی ہوسکتا ہے۔ موجودہ حالات کے پیشِ نظر امریکی ہوم لینڈ سکیورٹی ریفرنس ایڈ میں متشددانہ انتہاء پسندی کو دہشت گردی کہا گیا۔ جیسے:

"A movement of groups or individuals who are drawn together and form extremist beliefs based on their ethnic or cultural background. Members have advocated or engaged in criminal activity and have plotted acts of violence and terrorism in an attempt to advance their extremist goals."(10)

''ایک گروہی یا انفرادی تحریک جس میں لوگ اپنے مذہبی یا ثقافتی پسِ منظر کے مطابق انتہاء پسندانہ عقائد کو بنیاد بنا کر اکٹھے ہوئے ہوں۔ (اس تحریک کے) ارکان مجرمانہ کاروائیوں کی وکالت کریں یا ان کاروائیوں میں ملوث ہوں اور اپنے انتہاء پسندانہ عزائم کو آگے بڑھانے کیلئے متشددانہ افعال اور دہشت گردی کرتے ہوں۔''

انتہاء پسندی ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جو کسی عمل کے رد میں ظاہر ہوتا ہے اور کسی بھی فرد کو لاحق ہوسکتا ہے۔ غربت وافلاس، نامناسب طبی وتعلیمی سہولیات، بے روزگاری، جبر و زیادتی، ظلم وستم، تذلیل اور بنیادی انسانی ضروریات کا فقدان (جیسے: تحفظ، عزت ووقار، پہچان وغیرہ) کی وجہ سے افراد انتہاء پسندانہ سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں تاکہ وہ انتقام کی آگ کو بجھا سکیں۔ کیونکہ احساسِ محرومی انسان کی سوچ کو زنگ لگا دیتا ہے۔ ایسے محروم افراد یا گروہ معاشرے میں ناسور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مشہور سوئس جرمن ماہرِ نفسیات آرنو گرون (Arno Gruen) نے متشددانہ انتہاء پسندی کو ایک متعدی نفسیاتی بیماری کا نام دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"The lack of identity associated with extremists is the result of self-destructive self-hatred that leads to the feelings of revenge towards life itself, and a compulsion to kill one's own humanness. Thus extremism is seen as not a tactic, nor an ideology, but as a pathological illness which feeds on the destruction of life."(11)

''شناخت کا فقدان جو کہ انتہاء پسندوں سے منسلک ہے ذاتی تباہی، ذاتی نفرت کا نتیجہ ہے یہی احساس زندگی سے بدلے لینے کی سوچ کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اپنی ہی نوع کے انسانوں کو قتل کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

تاہم انتہاء پسندی کو ایک فن یا نظریہ نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ ایک ایسی متعدی بیماری سمجھنا چاہیے جو زندگی کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتی ہے''

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انتہاء پسندی انسانیت کیلئے ایک خطرناک اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ انا پرستی، ہٹ دھرمی اور ضد اس کا نشان امتیاز ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انتہاء پسند، دہشت گرد یک رخے جذبات کے حامل ہوتے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ انکی سوچ، خیالات اور رائے بالکل درست اور صحیح ہے جبکہ باقی تمام انسانیت اجتماعی طور پر غلط ہے اور وہ انسانیت کو نام نہاد سیدھے راستے کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ یہی جنونی افراد اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کیلئے لوگوں کے مذہبی اور سیاسی جذبات کو بھڑکاتے ہیں۔ ان مٹھی بھر افراد کی انتہاء پسندانہ کاروائیوں کی وجہ سے لوگوں میں بدامنی و انتشار اور خوف وہراس کی فضاء پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دہشت گرد پر امن آبادیوں پر حملے کرتے ہیں، مساجد، گرجے، مزارات، تعلیمی ادارے، کاروباری مراکز، بازار، سرکاری املاک اور سفارت خانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا تاریخی پس منظر:

انتہاء پسندی اور دہشت گردی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسانی تاریخ۔ مگر 11 ستمبر 2001 میں امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر (World Trade Center) اور پینٹا گان (Pentagon) جیسے مراکز پر دہشت گردانہ کاروائیوں کی وجہ سے ان اصطلاحات کا استعمال کثرت سے ہونے لگا۔ بدقسمتی سے ان کاروائیوں میں مسلمانوں کے ملوث ہونے کے شواہد جمع کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ اسلام اور مسلمانوں کو انتہاء پسند اور دہشت گرد قرار دیا جاسکے۔ حالانکہ اسلام سراپا امن و آشتی ہے۔ مغربی دنیا میں مسلمانوں کی تذلیل کی گئی اور آج بھی کی جارہی ہے۔ مغربی میڈیا نے اسلام کے خلاف بے بنیاد اور غلط الزامات لگائے جس سے تمام مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی۔ حالانکہ دنیا بھر کے مسلمانوں نے امریکہ پر ہونے والے حملوں کی پرزور مذمت کی اور کہا کہ ایسی کاروائیوں کا مذہب اسلام سے قطعی تعلق نہیں ہے۔ بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے والے مسلمان نہیں ہوسکتے ہیں۔ ایسے درندہ صفت افراد باغی ہیں جو کسی بھی قوم، مذہب، خطہ، طبقہ وغیرہ میں ہوسکتے ہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں کی وہ پوری قوم یا پورا مذہب ایسا ہے۔ ایسے افراد نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔

ان افراد کی موجودگی دنیا کے کسی بھی خطے میں ممکن ہے۔ اسلامی ممالک کے علاوہ دنیا کے تقریباً سب بڑے ممالک دہشت گرد اور انتہاء پسند افراد اور تحریکوں کے حامل رہے ہیں اور کئی ممالک میں تو آج بھی ایسے شر پسند عناصر موجود ہیں۔ جیسے یورپ، شمالی امریکی ریاستیں، جرمنی، سابقہ سوویت یونین، کینیڈا، اسرائیل، ہندوستان وغیرہ۔ خاص طور پر یورپ ایسی سرگرمیوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ جیسا کہ Rational Extremism کتاب کے مصنف رونالڈ ونٹروب (Ronald Wintrobe) اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"Europe in particular has a long history of extremism. Perhaps, the first modern example of extremism in power was the "Terror" (the word was invented then) associated with the Jacobin ascendancy during the French Revolution" (12)

''خاص طور پر یورپ میں انتہاء پسندی کی ایک طویل تاریخ ہے۔شاید طاقت میں انتہاء پسندی کی اولین جدید مثال 'دہشت' (یہ لفظ تب ایجاد ہوا) جو کہ فرانسیسی انقلاب کے دوران جیکبین غلبہ سے متعلق ہے''

بیسویں صدی میں انتہاء پسند تحریکیں فاش ازم (Fascism) کے عروج تک جاری رہیں تا کہ یہ یورپ پر غلبہ حاصل کر سکیں۔یہی فاشسٹس (Fascists) بہت متشدد، جمہوریت اور کمیون ازم (Communism) کے مخالف تھے۔اسی طرح جرمنی میں نازی ازم (Nazism) کو بھی فاشازم کی شاخ سمجھا جاتا ہے۔سابقہ سوویت یونین میں موجود کمیون ازم (Communism) اور مشرقی یورپ بھی انتہاء پسندانہ نظریات کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔مصنف اپنی کتاب میں مزید لکھتے ہیں کہ

"More recently, extremist groups in Europe have remained much smaller and have never risen to power but have been important and destructive. Movements included those involving the Red Brigades on the left and Propaganda Due on the right in Italy in the 1970s, the Baader-Meinhof Gang of the 1970s in Germany, and the ant-immigration National Front of Le Pen in France, which continues today"(13).

''حال ہی میں دیکھا جائے تو یورپ میں انتہاء پسند گروہ بہت مختصر ہیں اور وہ کبھی بھی حکومت میں نہیں آئے مگر بہت اہم اور نقصاندہ ہو گئے ہیں۔یہ تحریکیں بشمول دائیں بازو کی تحریک Red Brigades اور بائیں بازو کی تحریک Propaganda Due جو کہ اٹلی میں 1970 کی دہائی میں تھی، 1970 کی دہائی میں ہی جرمنی میں Baader-Meinhof Gang، اور آبادکاری کے خلاف فرانسیسی تحریک National Front of Le Pen آج بھی موجود ہیں۔''

بالکل اسی طرح ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی کئی انتہاء پسند تنظیمیں موجود ہیں۔جیسے: The Ku Klux Klan، The John Birch Society، The Weathermen، McCarthyism، The Right-Wing Militias۔اور The Front de Liberation de Quebec کینیڈا کی انتہاء پسند تنظیم

ہے۔متشددانہ کارروائیوں کا زیادہ تر تعلق سیاست سے رہا ہے مگر مذہبی عناصر بھی اس میں ملوث رہے ہیں۔دہشت گردی کے امور کے ماہر امریکی پروفیسر Dr.BruceHoffman کہتے ہیں کہ:

"It has been observed that while the era of 1980s saw a growth of politically-inspired terrorism, the 1990s has seen a dramatic increase in terrorism motivated by religious agendas"(14)

''یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ 1980 کے دور میں سیاست سے متاثرہ دہشت گردی نے پرورش پائی۔ 1990 کے عہد نے مذہبی ایجنڈا سے متاثر ڈرامائی انداز سے بڑھتی ہوئی دہشت گردی کو دیکھا''

مندرجہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ انتہاء پسندی اور دہشت گردی کسی خاص مذہب، قوم اور خطہ میں نہیں پائی جاتی ہے بلکہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔دنیا کا ہر مذہب امن وسلامتی کی تعلیمات دیتا ہے۔

انتہاء پسندی اور دہشت گردی کی وجوہات:

انتہاء پسندی اور دہشت گردی ایک حادثاتی عمل نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کئی اسباب، وجوہات اور عوامل کارفرما ہیں۔ان اسباب کے حل کے لیے ان کو جاننا انتہائی اہم ہے۔اگر دیکھا جائے تو یہ عمل ایک طبی معائنہ کی طرح ہے۔جس میں مرض کی تشخیص کیلئے اس کے عوامل اور اسباب کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ڈاکٹر یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ یہ ایک طبی تشخیص جیسا عمل ہے:

"but diagnosis is impossible-at least extremely difficult when causes are not known. With this in mind, we endeavor to examine the causes and the motives which have generated extremism a term which has become synonymous with ghuluw, i.e., excessiveness in religion"(15)

''مگر تشخیص ناممکن ہے بلکہ انتہائی مشکل ہے جب تک (اس بیماری کے) اسباب معلوم نہ ہوں۔اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم ان وجوہات اور محرکات کا جائزہ لیتے ہیں جنہوں نے انتہاء پسندی جیسی اصطلاح کو جنم دیا۔ جو کہ مذہبی معاملات میں زیادتی اور غلو کے مترادف ہے''

ڈاکٹر القرضاوی نے انتہاء پسندی (اور دہشت گردی) کو مذہب سے ہی منسلک کیا ہے جبکہ یہ ایک پیچیدہ نفسیاتی مسئلہ

ہے جیسا کہ انتہاء پسندی کی تعریفات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایسا نفسیاتی مسئلہ ہے جسکا تعلق زندگی کے کسی بھی پہلو سے ہوسکتا ہے۔ ان ظالمانہ کاروائیوں سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے چاہے وہ سیاست ہو یا معیشت، مذہب ہو یا معاشرت وغیرہ۔ تاہم سادہ الفاظ میں یہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتی ہیں۔ کوئی ایک اکیلا سبب موجود نہیں جو انتہاء پسندی کو پیدا کرتا ہو بلکہ بہت سے باہمی جڑے ہوئے ماضی اور حال میں موجود اندرونی اور بیرونی، بالواسطہ اور بلاواسطہ محرکات ہیں جو اس عمل کے موجب ہیں۔

نفسیاتی پہلو سے اگر دیکھا جائے تو انتہاء پسندی جیسے رویے کسی عمل کے ردعمل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جب کچھ لوگ اپنی مخصوص خواہشات اور خیالات کی تکمیل میں ناکام ہوتے ہیں تو وہ جارحانہ، دہشت گردانہ اور انتہاء پسندانہ کاروائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ یہ جارحانہ انداز ہی انتہاء پسندی کو شہ دیتا ہے پھر ان انتہاء پسندانہ افکار کی تکمیل کے لیے دہشت گردی جیسی قبیح کاروائیاں کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ناامیدی، مایوسی، مواقع کا فقدان، بیرونی مداخلت، جنگی خطرات اور دھمکیاں، مذہبی جنونیت اور بنیاد پرستی، مذہبی منافرت، تعصب، کردارکشی وغیرہ جیسے عوامل ہیں جن کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ہم ان کثیر و متنوع عوامل میں سے سیاسی، معاشی، معاشرتی، اور مذہبی وجوہات واسباب کا جائزہ لیتے ہیں۔

سیاسی وجوہات:

انسانی تاریخ ایسے واقعات سے لبریز ہے جن میں صاحبانِ اقتدار کے ظلم وستم، جبر و زیادتی، انا پرستی، بربریت اور استحصالی پالیسیوں کے شکار افراد نے بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔ اسی طرح نااہل حکمرانوں کی وجہ سے سیاسی عدم استحکام وجود میں آتا ہے۔ جو کسی بھی ریاست کی جڑوں کو خطرناک حد تک کھوکھلا کر دیتا ہے۔ ایک قابل اور اہل حکومت کسی ریاست کے لیے اتنی ہی اہم اور ضروری ہے جتنا کہ ایک انسانی جسم کو متوازن خوراک اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ سیاست کی غیر یقینی صورت حال عوام کے دلوں میں بے چینی اور خوف کا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ سیاسی عدم استحکام کی بھی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں جیسے غیر ملکی مداخلت، سیاسی مسابقت وغیرہ۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات پیش آئے ہیں جن سے ملک میں ایسی قوتوں نے سر اٹھایا جو انتہاء پسندانہ افکار کی حامل ہیں۔ یہ قوتیں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کیلئے سادہ لوح اور مذہب سے کم واقفیت رکھنے والے نادان نوجوانوں کی Brain washing کرتی ہیں تاکہ ملک میں خوف وہراس اور انارکی پیدا کی جاسکے۔

بعض اوقات نااہل حکمران اپنے مفادات کو حاصل کرنے کی دوڑ میں تخریب کاروں کی چالوں سے ناواقف رہتے ہیں۔ ان کو ہوش اس وقت آتا ہے جب یہ دہشت گرد اپنی کاروائیاں کر چکے ہوتے ہیں۔ کسی بھی ریاست کی طاقت اس کی مطمئن عوام ہوتی ہے اور عوام اس وقت مطمئن ہوتی ہے جب حکومت عوام دوست پالیسیاں بناتی ہے۔ عوام کی حفاظت کیلئے اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لاتی ہے۔ عام آدمی لیڈر یا قائد نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی فلاح و بہبود کیلئے معاشرے سے ہی ایک فرد کو منتخب کرتا ہے۔ وہ ان کو اپنا

انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب مقرر کیا گیا ہے۔ اس کا اولین مقصد پرامن اور متوازن معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی تعلیمات پر بہترین انداز میں عمل کیا جاسکے۔ معاشرے کے قیام کے حوالے سے دو عمومی نظریات موجود ہیں۔ ایک نظریہ اجتماعی فلاح کو ترجیح دیتا ہے اور دوسرا انفرادی فلاح کو۔ جبکہ اسلامی تعلیمات نے ان دو نظریات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے بجائے اعتدال اور توازن کی راہ اپنائی اس لئے یہ افراد معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی فلاح کی قائل ہیں۔

اصل میں معاشرے کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اپنی شخصیت کی تعمیر و ترقی میں تقویٰ کو سامنے رکھتے ہوئے بڑھ چڑھ کر حصہ لے تاکہ وہ ایسا انسان بن سکے جو اعتدال اور توازن کا دامن تھامے شدت اور انتہاء پسندی کو چھوڑتے ہوئے اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی کی منازل طے کرے۔ اسلامی معاشرے کے معتدل اور نرم مزاج ہونے کی وجہ سے اس میں رنگ، نسل، قومیت، علاقائیت جیسے امتیازات نہیں پائے جاتے ہیں۔ الغرض اسلامی معاشرہ دنیا کا معتدل ترین معاشرہ ہے:
جو معاشرتی عدل، بھائی چارہ، مساوات، برابری، آزادی، سادگی، اعتدال، برداشت، امن اور سلامتی جیسے خصائص و اوصاف کا حامل ہے۔

تجاویز و سفارشات:

۱۔ سب سے پہلی تجویز جو مسلمانوں کے لیے بہت اہم اور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال اور توازن کو برقرار رکھیں۔

۲۔ فروعی اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک ایسا مسلم بلاک بنایا جائے جسکی بنیاد اسوۂ رسول ﷺ ہو۔

۳۔ صوفیائے کرام کی تعلیمات کو عام کیا جائے کیونکہ ان کے طریقہ تربیت میں اعتدال اور برداشت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۴۔ دہشت گردوں کے حملوں سے بچنے کے لئے صرف حفاظتی اقدامات ضروری نہیں بلکہ تعلیمی اور فکری تبدیلی لائی جائے۔

۵۔ آج کے پرفتن دور میں جہاد کے وسیع معانی کو ترویج دی جائے۔ جہاد کو صرف قتال اور جنگ تک محدود نہ کیا جائے بلکہ جہاد بالقلم اور جہاد بالنفس کی فکر کو ترویج دی جائے۔

۶۔ معتدل رول ماڈل تیار کئے جائیں۔ تاکہ نوجوان نسل شدت اور تشدد کے راستے کے بجائے نرمی اور رحمت و شفقت کو مشعل راہ بنائیں۔

۷۔ اسلامی اخلاقیات کا فروغ عمل میں لایا جائے اور ایسے مواد کو تلف کیا جائے جو انتہاء پسند رجحانات پیدا کرتا ہو۔

۸۔ تشدد اور انتہاء پسندی پر مبنی فلموں پر پابندی لگائی جائے۔

۹۔ محبت، بھائی چارہ، امن، سلامتی اور رواداری پر مبنی تعلیمات کو میڈیا کے ذریعے پھیلایا جائے۔

۱۰۔ دہشت گردی لاعلمی اور جہالت سے جنم لیتی ہے۔ اسلام کی حقیقی اور پرامن تصویر کو پیش کیا جائے۔

(یہ مقالہ دو روزہ قومی سیرت کانفرنس منعقدہ 30,31 مارچ 2010ء گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد میں پڑھا گیا)

حواشی وحوالہ جات

۱ Rational Extremism: The Political Economy of Radicalism, Ronald Wintrobe, Cambridge University Press, UK, 2006, p. 6

۲۔ محولہ بالا

۳ www.iboinstitute.org/mod/glossary/view.php. Retrieved 2007-06-18.

۴ slamic Awakening between Rejection & Extremism, Dr. Yusuf Al-Qaradawi, International Institute of Islamic Thought (IIIT) Herndon, VA, USA, 1991, p.1

۵ Oxford Advance learner's Dictionary, Oxford University press, Oxford UK, 7th edition 2005, p.1585

۶۔ محولہ بالا ۷۔ محولہ بالا

۸۔ صابر مائیکل: شہید ذوالفقار علی بھٹو انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کراچی کی فیکلٹی آف سائنس کے ممبر ہیں۔

۹ Sabir Michael, Journal of Management and Social Sciences, Karachi, Vol:3, No:1, (Spring 2007),p.35-46.

۱۰ http://www.scribd.com/doc/14884903/Domestic-Extremism-Lexicon -US-Department -of-Homeland-Security-Reference-Aid. p 2,5 Retrieved 2007-06-18.

۱۱ 20. Addressing Extremism, Dr. Peter T. Coleman and Dr Andrea Bartoli, The International Center for Cooperation and Conflict Resolution (ICCCR), Teachers College, Columbia University, New York, USA, p.2, http://www.tc.columbia.edu/.../9386_WhitePaper_2_Extremism_030809.pdf, Retrieved 2010-01-15.

۱۲۔ محولہ بالا ۱۳۔ محولہ بالا

۱۴ Holy Terror: The Implications of Terrorism Motivated by a Religious Umperative, Bruce Hoffman, RAND, 1993.

۱۵۔ محولہ بالا صفحہ 25 ۱۶۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا، اسلام اور دہشت گردی؟ فن پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۵، ص: ۲۷

۱۷۔ محمد احسن بٹ، امریکہ کی اسلام دشمنی، نگارشات لاہور، ۲۰۰۴، ص: ۱۱۴۔

۱۸ http://en.wikipedia.org/wiki/social-injustice, Retrieved 2010-01-21.

۱۹ Civil Rights in Peril: The Targeting of Arabs And Muslims, Elaine C. Hagopian, Haymarket Books and Pluto Press, Chicago, 2004, p.11.

۲۰۔ بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة، دارالقلم دمشق شام، ۱۹۸۱ء، ۱:۲۷، ح ۵۰۔

۲۱۔ النسائی ، السنن الکبریٰ، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان، ۱۹۹۱ء، ۲:۴۳۵، ح ۴۰۴۹۔

مسیحا سمجھتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ مسیحا اس کے دکھوں کا مداوا کرے۔اس کے برعکس اسکا انتخاب اگر نااہل فرد ہو، جو اچھے کردار کا مالک نہ ہو، بزدل، ظالم اور اقرباء پرور ہوتو بدامنی، انتشار اور غیر یقینی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔

طاقتور ممالک مختلف حیلوں اور بہانوں سے کمزور ممالک پر قبضہ کرتے ہیں۔انہیں ظلم و ستم اور بربریت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔نام نہاد تہذیب یافتہ طاقتیں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کمزور ریاستوں میں دہشت گردی کے خاتمے کی جنگ کے بہانے دراندازی کرتی ہیں۔بعض اوقات دہشت گردوں اور فوج کے ذریعے مخالف ریاست کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔یہ عمل ان مقبوضہ یا متاثرہ ریاستوں کی عوام میں انتقام کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔یہ ردعمل بعض اوقات اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ یہ افراد اپنی مظلومیت کا بدلہ لینے کے لیے دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔اور دہشت گردی کا بدلہ دہشت گردی سے لینے کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں۔

ریاستی دہشت گردی سے مراد ایسی منظّم کاروائی جسمیں تشدد کے ذریعے لوگوں میں خوف و ہراس کی فضاء پیدا کی جائے تاکہ مخصوص سیاسی مقاصد کو حاصل کیا جائے۔یہ ریاستی دہشت گردی عمومی طور پر کسی حکومت یا ریاست کے خلاف ہوتی ہے۔کشمیر، فلسطین، چیچنیا اور 11 ستمبر 2001 کے بعد افغانستان اور عراق جیسی ریاستوں میں یہ کاروائیاں کی جارہی ہیں جنھوں نے لہلہاتی کھیتیاں اجاڑ دیں، معصوم بچوں، عورتوں، بوڑھوں، بیماروں کو بربریت کا نشانہ بنایا۔جمہوریت کا نام لینے والے ممالک بھی ان کاروائیوں میں ملوث ہیں جیسے دو مشہور ریاستیں امریکہ اور اسرائیل۔

پارلیمنٹ، عدلیہ اور مقنّنہ کسی بھی ریاست کے مضبوط ستون ہوتے ہیں۔مگر ان اداروں میں تصادم سیاسی عدم استحکام پیدا کرتا ہے۔پارلیمنٹ کو ذاتی یا پارٹی مقاصد کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔اسی طرح عدلیہ کے معاملات میں سیاسی مداخلت کی ایک لمبی تاریخ ہے۔NRO جیسے عوام دشمن قوانین بنائے جاتے ہیں جن سے صرف سیاست دان اپنی کرسیاں بچاتے ہیں۔بعض ممالک میں میڈیا کو ہائی جیک کر کے مخالف لوگوں کی کردار کشی کی جاتی ہے۔اور سیاسی جماعتیں اپنی ان مخصوص پالیسیوں کا پرچار کرتی ہیں جن میں صرف ان کے مفادات شامل ہوتے ہیں۔الغرض بین الاقوامی سطح پر ریاستی دہشت گردی، مخالف ریاستوں پر قبضے اور قومی سطح پر پارلیمنٹ، عدلیہ اور مقنّنہ جیسے اداروں میں تصادم انتہاء پسندی کو فروغ دیتا ہے اور یہی انتہا پسندی بعد میں دہشت گرد افراد کو جنم دیتی ہے۔

معاشی وجوہات:

کسی بھی ریاست کی ترقی اور فلاح میں اسکی مضبوط معیشت کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔علم معاشیات سے مراد لا محدود خواہشات کو محدود ذرائع سے پورا کرنا۔معاشیات ایک معاشرتی علم ہے جس میں بہت سے ذرائع اپنا کردار ادا کرتے ہیں جیسے زمین، محنت اور سرمایہ۔یہ ذرائع عوامل پیدائش بھی کہلاتے ہیں۔یہ ذرائع اس وقت اپنا کردار بہتر انداز سے ادا کرسکتے

ہیں جب انہیں مناسب ماحول مہیا کیا جائے۔ ایسا ماحول جس میں معاشی استحکام بھی ہو۔ اگر معیشت عدم استحکام کا شکار ہو تو ریاست ہو یا معاشرہ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتے۔ جہاں تک مناسب معاشی ماحول کا تعلق ہے وہ بہترین معاشی نظام ہی فراہم کر سکتا ہے۔ عالمی معیشت کا طائرانہ جائزہ لیا جائے تو دو معاشی نظام سامنے آتے ہیں:

۱۔ سرمایہ دارانہ معاشی نظام:

۲۔ سوشل ازم یا اشتراکیت:

اولاً: سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں سرمایہ اور دوسرے عواملِ پیدائش پر سرمایہ داروں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ سرمایہ دار پوری معیشت کے سرخ وسفید کے مالک ہوتے ہیں۔ دوم: اشتراکیت میں حکومت معاشی منصوبہ بندیوں، اشیاء کی پیدائش، اور ان کی تقسیم کی نگران ہوتی ہے۔ اسطرح دونوں معاشی نظام متوازن معیشت کی ضمانت نہیں دیتے بلکہ عدم استحکام اور غیر متوازن صورت حال کو جنم دیتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں بڑے بڑے سرمایہ دار اور اجارہ دار معاشی آزادی کے نام پر لوگوں کا معاشی استحصال کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اشتراکیت میں نظامِ زندگی کو مادی نقطہ نظر تک محدود کر دیا جاتا ہے۔ معاشی ذرائع حکومت کے ہاتھوں تک محدود ہو جاتے ہیں اور عوام اپنی فکر و عمل کی آزادی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ معاشی انتہاء پسندی دنیا کو تین حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ جیسے: پہلی دنیا (ترقی یافتہ صنعتی دنیا)، دوسری دنیا (اشتراکی دنیا) اور تیسری دنیا (غربت اور افلاس کی شکار دنیا)۔

تاہم دونوں نظام ہائے معیشت میں انتہائیں موجود ہیں۔ خوبیوں کے باوجود سرمایہ دارانہ نظام میں بہت سی خامیاں اور خرابیاں ہیں جن کو نظر انداز کرنا معاشی ناانصافی سمجھا جائے گا۔ مثلاً: فکری لغزشیں، گردن توڑ مسابقت، طبقاتی کشمکش، غیر منصفانہ تقسیمِ دولت، غربت، معاشی بحران، عوامی فلاح و بہبود کا فقدان، مزدوروں کا استحصال وغیرہ۔ ان خامیوں نے لوگوں کو قومی سطح پر اور ملکوں کو بین الاقوامی سطح پر دو انتہاؤں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک امارت اور دوسری غربت۔ اس نظام کی وجہ سے امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہو جاتے ہیں۔ یہ دو انتہائیں انسان کی معاشرتی زندگی کو بہت نقصان پہنچا رہی ہیں۔ امیر لالچ اور ہوس کے نشے میں غریبوں کا استحصال کرتے ہیں اور غریب ناامیدی اور مایوسی کے عالم میں دولت کو ناجائز ذرائع سے حاصل کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ وہ اپنے ان انتہاء پسندانہ ارادوں کی تکمیل کیلئے دہشت گردی اور تشدد کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

بالکل اسی طرح، خوبیوں کے باوجود، اشتراکیت میں بھی لاتعداد خامیاں اور خرابیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے بدامنی اور انتشار کی فضاء جنم لیتی ہے۔ جیسے: طبقاتی معاشرت، عدم مساوات، لامحدود ریاستی مداخلت، مقابلہ کا فقدان، جدید ٹیکنالوجی کی کمی، معاشرت انتشار، مادیت پرستی، آزادی کا خاتمہ، جبر و زیادتی وغیرہ۔ آخر کار مزدور طبقہ غیر مطمئن ہونے کی وجہ سے بہتر طور پر کام نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جتنی بھی محنت کر لیں انکو ایک متعین معاوضہ ہی ملنا ہے۔ اس نظام کی سب سے بڑی خامی یہ

ہے کہ یہ عوامی فلاح و بہبود کو اپنا اولین مقصد نہیں سمجھتا۔ اور نہ ہی معاشرتی برائیوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ مذہب سے دوری کی وجہ سے معاشرہ بے لگام گھوڑے کی طرح بن جاتا ہے جس پر کسی کی نگرانی نہیں ہوتی۔ الغرض یہ معاشی نظام ہیں جن کی پالیسیوں کی وجہ سے لوگوں کو انکے بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ردعمل میں افراد اپنا حق تشدد اور دہشت گردانہ سرگرمیوں اور کاروائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

مذہبی وجوہات:

مذہب کا انسان سے بہت گہرا اور اہم تعلق ہے کیونکہ اخلاقیات کی تزئین اور آرائش میں اسکا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ روحانی اور دنیاوی احتیاجات کی تسکین اور انکے مسائل کا حل صرف مذہب ہی مہیاء کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں جو کبھی بھی کامل اور مکمل نہیں ہوتے۔ اسکے برعکس مذہبی تعلیمات حتمی اور اٹل ہوتی ہیں اگر وہ تحریف شدہ اور تبدیل شدہ نہ ہوں (جیسے قرآنِ مجید اور آحادیثِ نبویہ ہیں) تو وہ ہر طرح کے پیش آمدہ مسائل کا حل بڑے ہی احسن انداز میں فراہم کرتی ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے مذاہب اپنے ماننے والوں کو پیار، محبت، امن، اتحاد، برداشت، نرم دلی، رحم دلی وغیرہ جیسے بہترین اوصاف کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور ظلم، بربریت، انتہاء پسندی اور دہشت گردی کی سختی سے مذمت کرتے ہیں۔

اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں ہے۔ دہشت گردانہ رزائل دنیا کے کسی بھی انسان میں ہو سکتے ہیں۔ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والے چند افراد جب ایسی قبیح کاروائیاں کرتے ہیں تو انکا یہ فعل صرف ان کی ذات سے ہی متعلق ہوتا ہے نہ کہ انکے مذہب سے۔ ''اگر دہشت گردوں میں شناخت کے وقت یہ پتا چلتا ہے کہ یہ مسلمان تھے تو اسے 'اسلامی دہشت گردی' کا نام تو نہیں دیا جانا چاہیے، بالکل اسی طرح جیسے اسے یہودی دہشت گردی' نہیں کہا جا سکتا اگر دہشت گرد یہودی تھے نہ ہی اس پر 'عیسائی دہشت گردی' کا لیبل لگایا جا سکتا ہے اگر ظلم و زیادتی کی یہ کاروائی کسی عیسائی نے کی ہو'' (۱۶)۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تخریب کاری، انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا کسی مذہب سے قطعی طور پر واسطہ نہیں۔ بلکہ یہ عناصر مذہب کے نام کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ مذہب تو سراپا امن ہوتا ہے اور یہ کاروائیاں سراپا فتنہ و فساد ہوتی ہیں۔ سابق رکن امریکی کانگریس پال فنڈلے اپنی کتاب ''They Dare to Speak out Silent No more'' میں دہشت گردوں کی نفسیات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''خدا خیر کو استعمال کرتا ہے جبکہ شر خدا کو'' (۱۷)

ایسے لوگ گروہی یا انفرادی انداز میں اپنے مذہبی یا ثقافتی پسِ منظر کے مطابق انتہاء پسندانہ عقائد کو بنیاد بنا کر اکٹھے

ہوتے ہیں اور اپنی مجرمانہ کاروائیوں کی وکالت کرتے ہیں یا ان کاروائیوں میں ملوث ہوتے ہیں تا کہ اپنے انتہاء پسندانہ مذموم عزائم کی تکمیل کیلئے متشددانہ افعال اور دہشت گردی کریں۔

مذہبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ایسے کئی عوامل سامنے آتے ہیں جو مذہب کا استعمال کرتے ہوئے انتہاء پسندی اور دہشت گردی کو ہوا دیتے ہیں۔ جیسے:

مذہبی فرقہ پرستی اور جنونیت: مذہبی معاملات میں غیر ضروری شدت، کٹر پن اور متشدد بنیاد پرستی جب جنون کی حد تک پہنچ جاتی ہے تو فرقہ واریت جنم لیتی ہے۔ تنگ نظر مذہبی عناصر اپنے علاوہ باقی تمام فرقوں کو کافر، مشرک، بدعتی اور گمراہ تصور کرتے ہیں اور اپنے مخصوص عقائد اور نظریات کو بزور تشدد منوانے کی کاروائیاں کرتے ہیں۔ ان کی یہ فرقہ وارانہ سرگرمیاں قومی اور بین الاقوامی امن کو تباہ کر دیتی ہے۔

بین المسالک اور بین المذاہب عدم رواداری: انسان فطرتی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں جبکہ بعض افراد ان آفاقی سچائیوں کو یا تو سمجھتے نہیں یا سمجھنا نہیں چاہتے۔ اسی فطرتی اختلاف کی وجہ سے لوگ مذہب اور مذہبی فرقوں کے بارے میں مختلف نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ نام نہاد بنیاد پرست افراد برداشت کی کمی کی وجہ سے دوسرے مسالک یا مذاہب کے افراد کو تشدد اور زیادتی کا نشانہ بناتے ہیں۔

مقدس شخصیات کی کردار کشی اور مقامات کی بے حرمتی: نام نہاد مذہبی بنیاد پرست اور جنونی افراد سادہ لوح لوگوں کی Brain washing کرتے ہیں تا کہ مخالف مذہب کی کردار کشی کر سکیں اور اس مذہب کے مقدس مقامات کی بے حرمتی کی جائے۔ جیسا کہ حال ہی میں ڈنمارک میں حضور نبی اکرم ﷺ کے گستاخانہ خاکے چھاپے گئے۔ ایسے افراد بعض اوقات آزادی رائے کا سہارا لیتے ہوئے لوگوں کے مذہبی جذبات سے کھیلتے ہیں۔ ردعمل میں انتہاء پسندی اور دہشت گردی جنم لیتی ہے۔

مذہبی اقلیتوں پر ظلم: امریکہ میں ہونے والے حالیہ حملوں کی وجہ سے وہاں مقیم مسلم اقلیتوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ حالانکہ دنیا بھر کے مسلمانوں نے ان سفاکانہ کاروائیوں کی شدید مذمت کی۔ مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا، مساجد جلائی گئیں، مسلمانوں کو حبس بے جاہ میں رکھا گیا، ان کے بنک اکاؤنٹ بند کر دیے گئے، انکی special registration اور targeted monitoring کی گئی، مسلمانوں کو دہشت گرد، اور انتہاء پسند کہا جانے لگا، سینکڑوں ایسی فلمیں بنائی گئیں جن میں مسلمانوں کو دہشت گرد اور انسانیت دشمن بنا کر دکھایا گیا۔ ان سب کاروائیوں کی وجہ سے کچھ نادان مسلمانوں نے ردعمل بھی دکھائے جو فطری عمل تھا مگر اسلامی نہیں۔

معاشرتی وجوہات:

معاشرت سے مراد معاشرے اور افراد کا باہمی تعلق ہے۔ اس طرح افراد کا باہمی مفادات کی خاطر گروہی انداز میں رہنا

معاشرت کہلاتا ہے۔ مزید برآں معاشرہ ایک علاقہ، ملک اور بعض اوقات پوری دنیا کے افراد کے باہم میل جول اور تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس معاشرتی زندگی میں مختلف قوموں کے لوگ مشترکہ سیاسی وثقافتی رجحانات، عقائدوافکار، اقداراور رسم ورواج کے مطابق متحد ہوتے ہیں تاکہ مشترکہ مقاصد کو حاصل کرسکیں۔ ان گنت فوائد کے باوجود ایسے معاشروں کو مختلف قسم کے بالواسطہ اور بلاواسطہ، اندرونی اور بیرونی چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن سے انفرادی اور اجتماعی معاشرتی زندگی متاثر ہوتی ہے اور بہت سے مسائل اور دقتیں سامنے آتی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر فرد ایک دوسرے سے کسی نہ کسی انداز سے مختلف ہے۔ معاشرے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان انفرادی اور اجتماعی اختلافات کو سامنے نہ آنے دیا جائے تاکہ پرامن اور مثالی معاشرت قائم ہو سکے۔ لیکن اگر افرادِ معاشرہ انفرادی سرگرمیوں میں ملوث ہونے لگیں تو انتشار اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ انفرادی اقدار، رسم ورواج، اور ترجیحات بدامنی اور منافرت کو شہ دیتی ہیں۔ ایسے کئی معاشرتی عوامل ہیں جو افرادِ معاشرہ کے جذبات کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر متشددانہ کارروائیوں کیلئے بھڑکاتے ہیں۔ مثلاً:

معاشرتی ناانصافی:

معاشرتی ناانصافی کا انتہاء پسندی اور دہشت گردی کے پھیلاؤ میں اہم کردار رہا ہے۔ احساسِ محرومی وناامیدی انسان کے جذبات کو بھڑکانے کا موجب بنتا ہے۔ معاشرتی ناانصافی اس وقت پیدا ہوتی ہے:

''When equals are treated unequally and unequals are treated equally(18)''

''جب حقداروں سے غیر حقداروں جیسا سلوک کیا جائے اور غیر حقداروں سے حقداروں جیسا''

انسانیت کے ساتھ مساوات اور برابر کا برتاؤ معاشرے کے ہر ادارے میں ضروری ہے چاہے معاشرہ مغربی ہو یا مشرقی۔ معاشرتی ناانصافی لوگوں کو قومی یا بین الاقوامی سطح پر دو انتہاؤں (برتری اور کمتری) میں منقسم کر دیتی ہے۔ بعض اوقات اس غیر مساویانہ تقسیم کی وجہ سے اجتماعی فلاح اور public interest کے نام پر انفرادی مفادات، تخلیقی صلاحیتوں کو دبا دیا جاتا ہے، اہلیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف شخصی آزادی، عزت نفس کو صرف اس لئے نظر انداز کیا جاتا ہے کیونکہ ان افراد کا کسی خاص نسل یا قوم سے تعلق نہیں ہوتا۔ نتیجتاً یہی افراد ردعمل کا اظہار ناجائز اور متشددانہ کارروائیوں سے کرتے ہیں۔

نسل پرستی اور قوم پرستی: نسل اور قوم ایک پہچان کا ذریعہ ہوتے ہیں مگر بعض عناصر قومیت اور نسل پرستی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہ نظریہ قومیت عالمی امن کیلئے خطرناک ثابت ہوا ہے۔ یہ نظریہ امتیازی احساسات کا حامل ہے جو لوگوں کے درمیان فرق کو ابھارتا ہے، ان کو انفرادیت پسندی کی طرف مائل کرتا ہے۔ یہ افراد کو قومیت کے نام پر تمام دنیا سے الگ کرتا ہے۔ اسی طرح نسل

پرستی (Racism) نسلی تفاخر، تشدد، ناپسندیدگی، امتیاز، اور ظلم جیسے قبیح اوصاف کی ترویج کرتی ہے۔ بعض ماہرینِ عمرانیات نسل پرستی کو گروہی امتیاز کا نظام کہتے ہیں۔ مذہبی اور معاشرتی اختلافات میں نسل پرستی نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔

"Through the process of racialization, Arabs and Muslims have been considered racially different from whites and other racial minorities. The law and its enforcement also have contributed to hostility toward Arabs and Muslims in the United States."(19)

> ''نسل پرستی کے عمل کے ذریعے عرب اور مسلمان سفید فام اور دیگر نسلوں کی حامل اقلیتوں سے مختلف سمجھے جاتے ہیں۔ امریکہ میں قانون اور اسکے نافذ کرنے والوں نے عربوں اور مسلمانوں کے حوالے سے دشمنی میں حصہ لیا ہے''

خوفزدہ اور ہراساں: کرنے کا عمل معاشرتی بگاڑ میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک وسیع جارحانہ رویہ ہوتا ہے۔ عمومی طور پر اس رویے کا مقصد کمزور لوگوں کو پریشان کرنا ہوتا ہے۔ جسمانی یا زبانی تذلیل کے شکار یہ افراد عدمِ تحفظ محسوس کرتے ہیں کیونکہ انکی عزتِ نفس، خوداعتمادی جیسے جذبات کو نقصان پہنچتا ہے۔ انتقامی جذبات ابھرنے کی وجہ سے یہ متشدد انتہاء پسند بن جاتے ہیں۔

اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا حل:

انتہاء پسندی کا متشددانہ انداز اخلاقی و مادی، معاشرتی و ثقافتی، معاشی و سیاسی، انفرادی و اجتماعی مزید برآں قومی و بین الاقوامی پرامن ماحول میں خلل ڈالتا ہے۔ ایسے رویے کو درست کرنے کے بہت سے حل موجود ہیں۔ مگر یہ تمام انسانی وضع کردہ قوانین پر مشتمل ہیں جو کہ وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے یہ ان مسائل کو درست انداز سے حل نہیں کرسکتے ہیں۔ اسلامی اخلاقیات جو کہ امن وسلامتی اور تحفظ کا سرچشمہ ہیں اُلوہی تعلیمات سے ان مسائل کا بہترین حل فراہم کرتی ہیں۔ اللہ اور اسکے محبوب رسول ﷺ نے اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات کی بنیاد محبت، رواداری، رحم دلی، امن وسلامتی پر رکھی تا کہ انسانیت پرامن زندگی بسر کرسکے۔

انتہاء پسندی کسی چیز کا اپنی اصل سے دوری اختیار کر لینے کو کہتے ہیں۔ بدقسمتی سے کچھ متشدد انتہاء پسند افراد کے ہاتھوں امریکہ میں خون کی ہولی کھیلی گئی جسکا مسلمانوں سمیت تمام انسانیت کو دکھ ہے ان درندہ صفت دہشت گردوں نے معصوم انسانوں کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔ تحقیق وتفتیش کے بعد یہ بات سامنے لائی گئی کہ حملہ آور مسلم تھے۔ ان نام نہاد مسلمانوں کی وجہ سے پوری امت پر جارحیت کا عذاب نازل کردیا گیا۔ ان مٹھی بھر افراد کے غلط نظریات نے تمام امت کو بدنام کردیا۔ مغربی سامراجی طاقتوں نے اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو دہشت گرد اور انتہاء پسند جیسے ناموں سے پکارا جانے لگا۔ بہت سے

اسلامی ممالک اس مغربی استعماریت کا نشانہ بنے۔

حالانکہ انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جو کسی عمل کا ردعمل ہے۔ اس کا اسلام کی تعلیمات سے قطعی تعلق نہیں ہے اسلام تو سراپا امن و آشتی ہے جس کا سرچشمہ سیرتِ طیبہ ﷺ ہے۔ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی ابتداء ہی امن، محبت، بھائی چارہ، مساوات، عدل، برداشت، احسان، سلامتی اور نرمی جیسے اوصاف سے ہوئی۔ اس کی بہترین مثال حدیث جبرئیل ہے جو اسلامی تعلیمات میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں اسلام کی حقیقی روح کو بیان کیا گیا ہے۔ جسکا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ روایت کرتے ہیں کہ: حضرت جبرئیلؑ ایک سائل کی صورت میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم ﷺ سے درج ذیل تین سوالات کیئے:

ما الاسلام؟ 'اسلام کیا ہے؟'

دوسرا سوال کیا: **ما الایمان؟**

'ایمان کیا ہے؟' اس سوال کے جواب کے بعد تیسرا سوال کیا:

ما الاحسان؟(20) 'احسان کیا ہے'

مندرجہ بالا حدیث میں دین اسلام کے تین درجے بیان کیے گئے ہیں ایمان، اسلام اور احسان۔ اسلامی تعلیمات کا کوئی حصہ بھی ان تین درجوں سے باہر نہیں ہے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد ان تین اساسی الفاظ کی وضاحت کرنا ہے جن سے دین اسلام کا خمیر تیار ہوا ہے۔

ایمان:

لفظِ ایمان، اٰمن یؤمن سے مصدر ہے جسکا مادہ امن ہے۔ لفظِ امن خوف کی ضد ہے۔ امن اعتدال سے آتا ہے، اسلام کی بنیاد امن و سلامتی سے ہے۔ اگر کسی فرد میں امن اور اعتدال جیسی خوبیاں نہیں ہیں تو وہ مؤمن نہیں ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اور اور وہ اپنے کردار اور اخلاق سے معتدل اور پرامن نہ ہو تو وہ کامل مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر وہ پرامن اور میانہ رو ہے تو اسکا یہ عمل تمام انسانیت کیلئے ہو گا نہ کہ صرف مسلم امہ کیلئے۔

اسلام:

لفظِ اسلام مصدر ہے اور سلِم سلامۃً سے ماٴخوذ ہے۔ اسکا مطلب سلامتی اور حفاظت ہے۔ یہ سلامتی پرامن ماحول سے ہی ممکن ہے اور یہ پرامن ماحول میانہ روی اور اعتدال سے ہی ممکن ہے۔

۳ احسان:

لفظِ احسان، أحسَنَ یُحسن سے مصدر ہے جسکا مطلب، حسن، اچھائی اور بھلائی کرنا ہے۔ احسان کا مطلب کسی چیز کو

خوبصورت بنا کے پیش کرنا ہے۔ جتنی زیادہ کوئی چیز متوازن ہوگی اتنی ہی خوبصورت ہوگی۔ اسلامی تعلیمات پر اعتدال اور میانہ روی سے عمل کرنے پر ہی دنیوی اور اخروی فلاح ممکن ہے۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کا اسوۂ مبارک مجسمہ امن وسلامتی ہے۔ اپنے آخری حج کے موقع پر مزدلفہ سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کنکر اکٹھے کرنے کا حکم دیا۔ آپؓ نے چھوٹے چھوٹے کنکروں کا انتخاب کیا۔ ان کنکروں کی طرف دیکھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''بامثالِ هؤلاء، بامثالِ هؤلاء، و اياكم و الغلو فى الدين''(۲۱)

''(ہاں بالکل) انہی کی طرح، (ہاں بالکل) انہی کی طرح اور دین میں انتہاء پسندی سے بچو''

اس طرح آپ ﷺ نے کاملاً انتہا پسندی کی ممانعت فرمادی۔ انتہاء پسندی، اعتدال کی ضد ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی سے اعتدال پسندی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ یہی انتہاء پسندی تشدد اور دہشت گردی کو جنم دیتی ہے۔ مگر متعدد احادیث مبارکہ اس بات کی شاہد ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ کے نزدیک انسانیت کی عزت واحترام، حفاظت وحرمت کیا ہے۔ مسلم تو مسلم ہیں غیر مسلموں کی عزت، جان اور مال کی حفاظت کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ جیسے:

۱۔ مومنین کی عزت، جان و مال کی حرمت کو کعبہ سے زیادہ محترم قرار دیا گیا۔ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''والذى نفس محمد بيده، لحرمة المؤمن اعظم عند الله حرمة منک ماله و دمه، وان لانظن به الا خيرا'' (۲۲)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے۔ ہمیں مؤمن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے۔''

۲۔ اسلحہ سے قتل کرنا تو بہت شنیع وقبیح کام ہے۔ حضور ﷺ نے تو اہل اسلام کی طرف اسلحہ سے محض اشارہ کرنے کی بھی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لا يشير احدكم الى اخيه بالسلاح''(۲۳)

''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے''

۳۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں مطلقاً ہتھیار یا اسلحہ کی نمائش کو بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ:

''نهى رسول الله ﷺ ان يتعاطى السيف مسلولا''(۲۴)

''رسول اللہ ﷺ نے ننگی تلوار لینے دینے سے منع فرمایا ہے''

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دہشت گردوں کی اعانت کرنے والوں کی بھی سختی سے مذمت فرمائی:

''من اعان علی قتل مؤمن بشطر کلمة، لقی اللہ مکتوب بین عینیه: آیس من رحمة اللہ''(۲۵)

''جس شخص نے چند کلمات کے ذریعہ بھی کسی مومن کے قتل میں کسی کی مدد کی تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لکھا ہوگا: آیس من رحمۃ اللہ (اللہ کی رحمت سے مایوس شخص)''

۵۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے پوری انسانیت کی عزت، مال وجان کی حفاظت پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ان دمائکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام، کحرمة یومکم هذا، فی شهرکم هذا، فی بلدکم هذا، الیٰ یوم تلقون ربکم﴾(۲۶)

''بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں (مقرر کی گئی) ہے۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملوگے''

۶۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم شہری کے قاتل پر جنت کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''من قتل معاهدا فی غیر کنهه، حرم اللہ علیه الجنة''(۲۷)

''جو مسلمان کسی غیر مسلم شہری (وہ غیر مسلم شخص جو معاہدے کے تحت اسلامی ریاست کا باسی ہو) کو ناحق قتل کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرمادیگا۔''

۷۔ غیر مسلم شہری کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آپؐ نے غیر مسلم سفارت کاروں کے قتل کی بھی ممانعت فرمائی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلمہ کذاب کے نمائندے نے صریحاً اعترافِ ارتداد کیا مگر سفیر ہونے کے باعث آپؐ اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

''انِی کنت عند رسول اللہ ﷺ جالساً اِذا دخل هذا (عبداللہ بن نواحة) ورجل وافدین من عند مسیلمة. فقال لهما رسول اللہ ﷺ: اتشهدان انی رسول اللہ؟ فقالا لهُ: نشهد ان مسیلمةَ رسول اللہ، فقال: آمنت باللہ ورسلهِ، لو کنت قاتلاً وافداً لقتلتکم''(۲۸)

''میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب یہ شخص (عبداللہ بن نواحہ) اور ایک اور آدمی مسیلمہ کی طرف سے سفارت کار بن کر آئے تو انہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے (اپنے کفر وارتداد پر اصرار کرتے ہوئے) کہا: ہم گواہی دیتے

ہیں کہ مسیلمہ (معاذ اللہ) اللہ کا رسول ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ اگر میں سفارت کاروں کو قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔"

۸۔ اسی طرح آپؐ نے غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کے قتل کی بھی ممانعت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

"کان رسول اللہ ﷺ اذا بعث جیوشہُ قال: ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا الولدان ولا اصحاب الصوامع"(۲۹)

"سرکار دو جہاں ﷺ جب اپنے لشکروں کو روانہ کرتے تو حکم فرماتے: غداری نہ کرنا، دھوکہ نہ دینا، نعشوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور بچوں اور پادریوں کو قتل نہ کرنا"

۹۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کے جملہ حقوق کی ضمانت فراہم کی۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر آپؐ نے اہل نجران کے لئے تحریری فرمان جاری فرمایا:

"ولنجران وحاشیتها ذمة اللہ وذمة محمد النبی رسول اللہ، علی دمائهم وانفسهم وارضهم، واموالهم وملتهم ورهبانیتهم واساقفتهم وغائبهم وشاهدهم وغیرهم و بعثهم و امثلتهم، لا یغیر ما کانوا علیه، ولا یغیر حق من حقوقهم وامثلتهم، لا یفتن اسقف من اسقفیته، ولا راهب من رهبانیته، ولا واقف من وقافیته، علی ما تحت ایدیهم من قلیل او کثیر، ولیس علیهم رهق"(۳۰)

"اللہ اور اسکے رسول ﷺ، اہل نجران اور ان کے حلیفوں کے لیے ان کے خون، ان کی جانوں، ان کی زمینوں، ان کے راہبوں اور پادریوں، ان کے موجود اور غیر موجود افراد، ان کے مویشیوں اور قافلوں اور ان کے استھان (عبادت گاہیں) وغیرہ کے ضامن اور ذمہ دار ہیں۔ جس دین پر وہ ہیں اس سے ان کو نہ پھیرا جائے گا۔ ان کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ نہ کسی پادری کو، نہ کسی راہب کو، نہ کسی سردار کو اور نہ کسی عبادت گاہ کے خادم کو۔ خواہ اس کا عہدہ معمولی ہو یا بڑا۔ اس سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور انہیں کوئی خوف وخطر نہ ہوگا"

۱۰۔ رسول اللہ ﷺ نے دہشت گردی کی سختی سے مذمت فرمائی ہے حتیٰ کہ فاسق حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی بھی ممانعت فرمائی۔ حضرت جُنادہ بن ابی اُمیہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ان کو فرمایا کہ:

"دعانا النبی ﷺ فبایعناه. فقال: فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا و یسرنا و اثرة علینا، و ان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا

کفرا بو احاعند کم من اللہ فیه برهان''(۳۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بلایا تو ہم نے آپؐ سے بیعت کی۔ چنانچہ بیعت لیتے وقت آپؐ نے ہم سے اقرار لیا کہ آپ حکم مانیں گے اور اطاعت کرینگے، خوشی اور غمی میں، تنگی اور کشادگی میں، خواہ ہمارے اوپر کسی کو بھی ترجیح دی جائے، اور اس بات پر کہ جس کو حکمرانی کا حق دیا گیا اس کے حقِ حکومت یعنی اتھارٹی کے خلاف خروج نہیں کرینگے سوائے اس صورت کے کہ اس کا کفر صریح واضح ہو جائے اور (اس معاملہ) میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے (مقرر کردہ) واضح اور قطعی دلیل ہو''

۱۱۔ اسی طرح برائے نام مسلمان حکمرانوں کے خلاف جنگ اور بغاوت کی اجازت بھی نہیں دی گئی ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''انه سیکون علیکم ائمة تعرفون و تنکرون،فمن انکرفقد بریء، ومن کرہ فقد سلم، ولکن من رضی و تابع فهلک.فقیل: یا رسول الله، افلا نقاتلهم؟ قال: لا، ما صلوا''(۳۲)

''عنقریب تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جن سے تم نیکی بھی سرزد ہوتے دیکھو گے اور برائی بھی۔ پس جس نے ان کی برائی کو برا کہا وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گیا اور جس نے برا سمجھا وہ سلامتی پا گیا۔ لیکن جو ان پر دل سے راضی ہوا اور معصیت میں ان کی اتباع کی وہ ہلاک ہوا۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: 'نہیں' جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں (یعنی برائے نام بھی مسلمان ہیں، تم ان سے مسلح جنگ نہیں کر سکتے)''

۱۲۔ آپؐ نے مسلمانوں کو مذہبی و مسلکی اختلاف کی بنا پر قتل کرنے کی بھی مذمت فرمائی۔ حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''انما اتخوف علیکم رجل قرأ القرآن حتی اذا رئیت علیه بهجته علیه..... و کان وراء ظهره. وسعی علی جاره بالسیف و رماه بالشرک، قال: قلتُ: یا نبی الله! ایهما اولی بالشرک؟ المرمی ام الرامی؟ قال:بل الرامیٰ(۳۳)

''بے شک مجھے جس چیز کا تم پر خدشہ ہے کہ ایک ایسا آدمی ہو گا جس نے قرآن پڑھا یہاں تک کہ اس پر قرآن کا جمال دیکھا گیا اور وہ ایک وقت تک جب اللہ تعالیٰ نے چاہا اسلام کی پشت پناہی بھی کرتا تھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس کا خول اتر گیا اور اس نے قرآن کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ پھر وہ اپنے پڑوسی یعنی دوسرے مسلمان پر تلوار لے کر چڑھ دوڑا اور اس پر شرک کا الزام لگانے لگا۔ (راوی بیان کرتے ہیں:) میں نے عرض کیا: یارسول

اللہ! ان دونوں میں سے کون شرک سے زیادہ قریب ہے، شرک کا الزام لگانے والا یا جس پر شرک کا الزام لگایا گیا؟ آپؐ نے فرمایا: بلکہ شرک کا الزام لگانے والا (خود شرک کے قریب ہوگا)''

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے۔ آپؐ نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اعتدال اور توازن کو اپنا شعار بنایا۔ انسانیت کو معتدل سیاسی، معاشی، مذہبی اور معاشرتی نظام ہائے زندگی عطا فرمائے۔ یہ نظام ان سیاسی، معاشی، مذہبی اور معاشرتی مسائل کا حل فراہم کرتے ہیں جو انتہاء پسندی اور دہشت گردی کو پیدا کرتے ہیں۔ ان کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

اسلامی نظریہ سیاست:

(معتدل سیاست)

اسلام ایک most human religion (انسانیت دوست مذہب) ہے اسی لئے یہ مسلمانوں کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ زندگی صرف اپنے لیے نہ گزاریں بلکہ تمام انسانیت کیلئے گزاریں۔ یہ اپنے ماننے والوں کو علاقائی پہچان کی بجائے باہمی اور عمومی بھائی چارے کے رشتے سے جوڑتا ہے۔ اسلامی ورلڈ آرڈر ۱۴۰۰ سال سے پیش کیا جارہا ہے جو دنیا کے کسی بھی مسئلہ کو آسانی سے حل کرنے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس ورلڈ آرڈر کے تحت مسلمانوں نے دنیا کے جن خطوں میں بھی حکومت کی مساوات، عدل، برابری اور توازن کی مثالیں قائم کیں۔ کیونکہ اسلام بہت ہی گنجائش اور برداشت والا مذہب (most accommodating and tolerant religion) ہے جسکی اساس ہی انسانیت کا امن اور سلامتی ہے۔ یہ پرامن ماحول اعتدال اور توازن کی صلاحیتوں کا مرہون منت ہے۔ یہ اعتدال، بردباری اور برداشت زندگی کے ہر پہلو اور معاشرے کے ہر شعبے کا حصہ ہے۔ چاہے سیاست ہو یا مذہب، معاشرت ہو یا معیشت۔

اسلامی نظریہ سیاست کی اساس بھی یہی اعتدال اور توازن ہے جسکا سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور اسکا حصول اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی سے ممکن ہے۔ امن وسلامتی کی فضاء کے حصول کے لئے ایسے نظام حکومت کی ضرورت ہے جو اعتدال، محبت اور بھائی چارے کا ضامن ہو اور معاشرے کے انتظام وانصرام کو بخوبی سرانجام دے سکے۔ اسلام کی سیاسی تاریخ کی ابتداء حضور اکرم ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت اور مدینہ میں تشریف آوری سے ہوئی۔ سرورِ دو عالم ﷺ کی زندگی مذہبی، روحانی اور سیاسی سرگرمیوں کا مجموعہ ہے اس لحاظ سے آپ کی ذاتِ والاشان سیاست دانوں، مذہبی مبلغین، اور مشائخ کے لیے عملی نمونہ ہے۔ مدینہ منورہ کو اسلام کی پہلی سیاسی حکومت کا شرف حاصل ہے۔ جس کے حاکم رسولِ اکرم ﷺ تھے۔ اس طرح اس حکومت کی اساس قرآن مجید اور سیرتِ رسول ﷺ بنی انسانیت کی فلاح و بہبود، بھائی چارہ، امن و آشتی، عدل و انصاف، توازن و اعتدال اور محبت اور مساوات اس کی اولین ترجیحات تھیں۔ یہ اسلامی حکومت آج کے اسلامی ممالک کے لئے عملی نمونہ ہے۔

اس اسلامی ریاست میں اداروں کا تصادم ممکن نہیں، اس ریاستی نظام میں کردار کشی کی ممانعت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ والاشان میں بہترین قائدانہ صلاحیتیں موجود ہیں ۔ آپ ؐ کے اسوہ کے پیرو حکمران کبھی ناکام سیاست دان نہیں بنے۔ نبوی اسوہ کے پیرو حکمران اپنے مفادات کی سیاست نہیں کرتے بلکہ عوامی فلاح کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے یکساں نمونہ ہے۔ ایک مثالی ریاست کا حصول آپ ؐ کی پیروی سے ممکن ہے۔ نبوی تعلیمات متوازن ہیں۔ اسی لئے اسلامی سیاست کے اصول بھی معتدل اور متوازن ہیں۔ نابغہ عصر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اسلامی سیاسی نظام کے بنیادی اصولوں کو بڑی تفصیل اور خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے (۳۴)۔

۱۔ اسلام میں آمریت، مطلق العنانیت اور مارشل لاء کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی سیاسی نظام صرف اور صرف جمہوریت کا قائل ہے۔

۲۔ اسکا مقصد جمہوری سیاسی نظام اور جمہوری معاشرے کی ترویج و ترقی ہے۔

۳۔ پارلیمنٹ کا قیام: جو کہ منتخب ہو اور تمام لوگوں کی ترجمانی کرے۔

۴۔ اقرباء پروری کا خاتمہ: اسلامی نظام حکومت کسی خاص قسم کے نسلی اور علاقائی امتیاز کی قائل نہیں ہے بلکہ اسکی نظر میں ہر فرد برابر ہے۔

۵۔ جان، مال، کاروبار، عزت و وقار کی حفاظت، مذہبی آزادی، اظہارِ رائے کی آزادی، تنظیم سازی کی آزادی کے ساتھ ساتھ تمام بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی کی ضمانت فراہم کی جاتی ہے۔

۶۔ انسانی شرف، مساوات کی ضمانت، غلامی اور جبری مزدوری کی حوصلہ شکنی۔ اسی طرح رنگ، نسل اور زبان کو کوئی امتیاز حیثیت حاصل نہیں۔

۷۔ دولت کی مساویانہ تقسیم اور ارتکازِ دولت کی ممانعت کے ساتھ معاشی عدل کی ضمانت فراہمی۔

۸۔ ہمسایہ ممالک کے ساتھ پر امن اور باعزت تعلقات کا قیام۔

۹۔ ہر طرح کے ظلم، زیادتی، ناانصافی اور برائی کا خاتمہ۔

۱۰۔ ضرورت مندوں اور مظلوموں کی امداد تاکہ پر امن اور ترقی پسند معاشرے کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔

اسلامی نظام معیشت:

(معتدل معیشت)

اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک دین ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسلام بذاتِ خود تمام دنیاوی مسائل کا حل ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ کلام الٰہی ہے اور اس کا عملی نمونہ ذاتِ نبویؐ ہے۔ آپ ؐ نے مکمل ضابطہ حیات فراہم کیا۔ ایسا ضابطہ جو انسانی زندگی کے تمام مسائل کا حل بخوبی فراہم کرتا ہے۔ چاہے وہ مسائل، اخلاقی ہوں یا

مادی، سماجی ہوں یا ثقافتی، معاشی ہوں یا معاشرتی، انفرادی ہوں یا اجتماعی حتی کہ قومی ہوں یا بین الاقوامی۔

نسل انسانی اپنی تاریخ کی ابتداء سے ہی معاشی مسئلہ کا شکار رہی ہے۔ اس معاملے میں اسلام متوازن اور معتدل حل فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام ایمان کی ایک ایسی مضبوط بنیاد اور اساس فراہم کرتا ہے جو انسانی رویوں کو قوی اور توانا رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہی ایمان اخلاقی اقدار کو جنم دیتا ہے۔ جیسے بھائی چارہ، مساوات، عدل، تعاون وغیرہ۔ یہ اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر معاملے میں اسلامی اخلاقی اقدار پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لحاظ سے انسانی زندگی کا معاشی پہلو بھی ایمان کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ مغربی اور اسلامی نظام معیشت میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ مغربی نظام معیشت روز بروز بدلتی ہوئی انسانی خواہشات کے مطابق اپنی پالیسیاں بناتا ہے جبکہ اسلامی نظامِ معیشت اُلوہی اور نبوی ماخذات کی موجودگی میں انسانیت کی فلاح و بہبود کو عبادت کا درجہ دیتا ہے۔

اسلامی معاشیات کیلئے دوسری اتھارٹی سنت نبوی ﷺ ہے۔ آپ ؐ کی تعلیمات معتدل اور متوازن معیشت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جن کا مقصد انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود ہے۔ جس میں عوام کے معاشی استحصال کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔

آپ ؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

۱۔ "الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة" (۳۵)

''خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے''

۲۔ ''ما عال من اقتصد'' (۳۶)

''جس نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا''

۳۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں آپ ؐ نے بہترین آمدنی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"ما اکل احد طعاماً قط، خیراً من ان یاکل من عمل یده، و ان نبی اللّٰه داود ؑ کان یاکل من عمل یده" (۳۷)

''بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے''

آپ ؐ کی سنتِ مبارکہ میں معاشی زندگی کے قریب قریب تمام پہلوؤں کے بارے میں اصولی اور عملی رہنمائی موجود ہے۔ مثلاً اشیاء اور وسائل پیداوار کی ملکیت، دولت، اکتسابِ رزق، تجارت، زراعت، محنت، سرمایہ، عاملینِ پیدائش کے معاوضے، تسعیر (Price Controle)، صارف کا رویہ، آجر کا طرز عمل، سرکاری مالیات، معاشی ترقی اور معاشی اقدار جیسے سینکڑوں موضوعات پر سنت رسول ﷺ میں رہنمائی موجود ہے'' (۳۸)۔

الغرض مغربی معاشی نظاموں کی نسبت اسلامی معاشی نظام ،تقویٰ، مساوات، اخوت، عدل، احسان، اور تعاون جیسی اخلاقی اقدار کا حامل ہوتا ہے۔اس لحاظ سے معاشی ناانصافی، فتنہ صارفیت،لذت پرستی، مادیت پرستی، بے جا معاشی آزادی، گردن توڑ مسابقت، غربت، معاشی استحصال وغیرہ جیسی برائیوں کے خاتمے کی اسلامی تعلیمات ضمانت فراہم کرتی ہیں۔

اسلامی نظریہ مذہب:

(معتدل مذہب)

لفظ اسلام عربی لفظ سلامہ سے مشتق ہے جسکا مطلب، سلامتی ہے۔اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام سراپا امن و سلامتی، اطمینان اور ہم آہنگی ہے۔ مذہبی معاملات میں کٹرپن، سختی، جبر، شدت، اور تشدد اسلام کا خاصہ نہیں ہے۔ دہشت گردی و انتہاء پسندی اور اسلام الگ الگ الفاظ ہیں انکا آپس میں کوئی ربط و تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (۴۰)

''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر اُمت بنایا۔''

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں واضح انداز میں مسلمانوں کو یہ بات باور کرائی گئی ہے کہ اسلام سراپا اعتدال ہے کیونکہ اسکا خمیر امن اور اعتدال سے بنایا گیا ہے۔امت وسط سے مراد وہ امت جو درمیانی راستہ اختیا کرے نہ کہ تطرف وتعصب یا انتہاء پسندی کو اپنائے۔ ایک اور آیت مبارکہ میں دین میں سختی اور شدت کی ممانعت کی گئی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ (۴۱)

''اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے زائد نہ بڑھو (انتہاء پسندی نہ کرو)''

مندرجہ بالا آیت مقدسہ کے نزول کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں کو شدت اور زیادتی کے نقصانات سے خبردار کیا جائے۔کیونکہ دینی معاملات میں انتہاء پسندی معاشرتی اور مذہبی بگاڑ کی وجہ بنتی ہے اور تشدد اور دہشت گردی کی فضاء پیدا کرتی ہے۔انتہاء پسند لوگوں کے رویے سے لوگ دین سے دور جاتے ہیں۔اس طرح انتہاء پسند لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے بجائے اسلام سے دور کرتے ہیں۔اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (۴۲)

''دین میں کوئی زبردستی نہیں''

اللہ اور اسکے رسول ﷺ دونوں ہی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے نقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سرگرمیوں کی ممانعت فرماتے ہیں۔اسلامی تعلیمات مسلمانوں کو دنیاوی اور روحانی معاملات میں توازن اور اعتدال کا حکم دیتی ہیں

تا کہ تشدد اور سختی کو روکا جائے اور امن و سلامتی کو فروغ دیا جائے۔ اسلامی اخلاقیات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی رحمت، محبت اور اخوت کا عملی نمونہ تھی۔ یہ رحمت صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ تمام کائنات کا اس پر حق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا رب ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۴۳)

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔''

اور حضور ﷺ تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (۴۴)

''اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر''

اسطرح اسلام کا تصورِ امن تمام قوموں کیلئے ہے چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ انتہاء پسند اور دہشت گرد اپنی خواہشات اور مفادات کی تکمیل کیلئے اسلامی تعلیمات کو استعمال کرتے ہیں۔ انکے ایسے افعال سے یہ مراد لینا کہ اسلام دہشت گرد یا انتہاء پسند مذہب ہے تو یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ حالانکہ دہشت گردی اور انتہاء پسندی کی اسلام میں بالکل بھی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کے حقیقی پیروکار جو قرآن مجید اور سیرتِ نبوی ﷺ کے مزاج کو سمجھتے ہیں وہ کبھی بھی ایسی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہوتے ہیں اور نہ ہی ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

الغرض اسلام انتہاء پسندی اور دہشت گردی کی تمام صورتوں کی مذمت کرتا ہے۔ پندرہ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ آج بھی اتنا ہی جدید اور لچکدار اور گنجائش کا حامل ہے جتنا پہلے تھا۔ اس لئے اس کی تعلیمات آج بھی قابل عمل ہیں بس ایک نئے اور وسیع انداز سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

اسلامی نظریہ معاشرت:

(معتدل معاشرت)

معاشرت سے مراد معاشرے اور افراد کا باہمی تعلق ہے۔ اس طرح افراد کا باہمی مفادات کی خاطر گروہی انداز میں رہنا معاشرت کہلاتا ہے۔ مزید برآں معاشرہ ایک علاقہ، ملک اور بعض اوقات پوری دنیا کے افراد کے باہم میل جول اور تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس معاشرتی زندگی میں مختلف قوموں کے لوگ مشترکہ سیاسی و ثقافتی رجحانات، عقائد و افکار، اقدار اور رسم و رواج کے مطابق متحد ہوتے ہیں تا کہ مشترکہ مقاصد کو حاصل کر سکیں۔ اسلامی معاشرے سے مراد ایسے لوگوں کا گروہ جن کی زندگی کا ہر پہلو جیسے مذہب، معاشرت، اخلاقیات، ثقافت، معیشت، سیاست اور رسم و رواج وغیرہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بسر ہو۔ نسل پرستی، قومیت پسندی، محبِ وطن معاشرت کے بجائے اسلام خالصتاً مذہبی اور اجتماعیت کے اصول کی طرف بلاتا ہے جسکا مقصد باہمی تعاون، اجتماعیت انسانی، اور اخلاقی بہتری ہے۔

۲۲۔ ابن ماجہ،السنن، کتاب الفتن، باب حرمۃدم المؤمن و مالہ،دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان،۱۹۹۵ء، ۲:۱۲۹۷، ح۳۹۳۲۔

۲۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب النہی عن إشارۃ بالسلاح، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان،۴:۲۰۲۰، ح۲۶۱۷

۲۴۔ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ماجاء فی النہی عن تعاطی السیف مسلولا، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان،۴:۴۶۴، ح۲۱۶۳۔

۲۵۔ ابن ماجہ،السنن، کتاب الدیات، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلماً،دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان،۱۹۹۵ء،۲:۸۷۴، ح۲۶۲۰۔

۲۶۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منٰی،دارالقلم دمشق شام،۱۹۸۱ء، ۲:۶۲۰، ح۱۶۵۴۔

۲۷۔ النسائی ، السنن الکبریٰ، کتاب القسامۃ، باب تعضیم قتل المعھد، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان،۱۹۹۱ء، ۸:۲۴، ح۴۷۴۷۔

۲۸۔ دارمی، السنن، دارالکتاب العربی، بیروت لبنان، ۱۴۰۷ھ،۲:۳۰۷، ح۲۵۰۳۔

۲۹۔ احمد بن حنبل، المسند، المکتب الاسلامی، بیروت لبنان۱۹۷۸ء،۱:۳۳۰، ح۲۷۲۸۔

۳۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار بیروت لطبعۃ والنشر، بیروت لبنان،۱: ۲۸۸، ۳۵۸۔

۳۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی اموراتنکرونہا،دارالقلم دمشق شام،۱۹۸۱ء،۶:۲۵۸۸،ح۶۶۴۷۔

۳۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب:(۷۸)، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان،۴:۵۲۹، ح۲۲۶۵۔

۳۳۔ ابن حبان، الصحیح،۱:۲۸۲، ح۸۱۔

۳۴ http://www.minhaj.org/english/tid/387/Islam-and-Politics.html, Retrieved 2010-01-27.

۳۵۔ طبرانی، المعجم الاوسط، مکتبۃ المعرف، ریاض السعودیۃ العربیۃ، ۱۹۸۵ء،۷:۲۵، ح۲۷۴۴۔

۳۶۔ طبرانی ، المعجم الکبیر، مطبعۃ الزھراء، موصل عراق،۱۰:۱۰۸، ح۱۰۱۱۸۔

۳۷ بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، کسب الرجل و عملہ بیدہ،دارالقلم دمشق شام،۱۹۸۱ء، ۲: ۷۳۰، ح۱۹۶۶

۳۸۔ پروفیسر عبدالحمید ڈوگر، اسلامی معاشیات، علمی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۸

۳۹۔ النسائی ، السنن الکبریٰ، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان،۱۹۹۱ء،۲:۴۳۵، ح ۴۰۴۹۔

۴۰۔ البقرہ،۲:۱۴۳ ۴۱۔ النساء،۴:۱۷۱ ۴۲۔ البقرہ،۲:۲۵۶

۴۳۔ الفاتحہ،۱:۱ ۴۴۔ الانبیاء،۲۱:۱۰۷